ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW

CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW

Vol.03 No.03 (2025)

انتظار حسین: عصر حاضر کا نوحہ گر

INTIZAR HUSSAIN: MOURNER OF THE PRESENT

Dr. Shazada Muntazir Mehdi
PhD Urdu GC university Faisalabad
Dr. Muhammad Sahib Khan
Assistant Professor Department of Urdu University of Chitral
Siddique
Lecturer Department of Urdu University of Swabi

Abstract
This is an indication of the reality of the rupture in relationships and the uprooting of the earth. All the characters in "Shehr-e-Afsos" are nameless. For example, the first man, the second man, the old man, the old woman, the old girl, the old man, the father, the daughter-in-law and the troubled man. The old man, the old woman and the father are representatives of the generation that fought for a separate state and are now surrounded by trials. The first and second are West Pakistani interlocutors. Who are commenting on the situation? The troubled person could also be an intellectual of the country. The city of Sorrow also shows Dhaka, Chittagong, Rajshahi and Lahore and Islamabad. The sari is the garment of a Bengali woman that is torn. It is an indication of the days of captivity that were spent in India. The bodies are countless in the city. The living bodies are also in the city now. It tells the story of loss of life and death of conscience. The dog is a well-known symbol. Which is to be understood. The dog is a symbol of loyalty and protection, but here it is considered detestable. The ruined house is a tragedy of 1971. This article is based on these facts.
Key Words: *Intizar Hussain, "Shehr-e-Afsos", troubled person, Rajshahi, Lahore, Islamabad, Bengali woman, tragedy of 1971.*

انتظار حسین ایک نمایاں فکشن نگار ہیں۔ انھوں نے افسانوی ادب کی مختلف جہات میں طبع آزمائی اور اپنی ایک منفرد پہچان کے باعث شہرت پائی۔ اگر ان کے ناولوں پر نظر ڈالی جائے تو ان کے کریڈٹ پر پانچ ایسے ناول ہیں کہ اگر وہ افسانے اور ڈرامے نہ بھی لکھتے تو ناول نگاری ہی ان کی پہچان کرانے کے لیے کافی تھے۔ اگر افسانے کے منظر نامے پر نظر ڈالی جائے تو ان کے کئی ایک مجموعے انھیں ایک ایسے افسانہ نگار کے طور پر متعارف کراتے ہیں کہ ان کا داستانی اور تجریدی اُسلوب کی پہچان بن جاتا ہے۔ اسی طرح ڈرامے کے میدان میں بھی وہ کسی سے پیچھے نہ رہے۔ ان کے ڈرامے تعداد میں کم مگر معیاری ہیں۔ ان کے بارے میں ڈاکٹر نعیم انیس کے الفاظ یہ ہیں:

> "انتظار حسین ایک عہد ساز ادیب تھے جنھوں نے ادب کی مختلف جہات پر طبع آزمائی کی۔ ناول، ناولٹ، داستان، افسانے، فلسفہ، افسانے کی تنقید، ڈرامے، صحافت، خاکے، سوانح، سفر نامے، ترجمہ اور کالم نگاری کے حوالے سے ان کی گراں قدر خدمات رہی ہیں۔ انھیں اردو ادب کی مختلف نثری اصناف پر نہ صرف قدرت حاصل تھی بلکہ وہ ان میں اپنی جدت فکر اور ندرت ادا کے صد جلوے پیش کرتے نظر آتے ہیں۔"(۱)

انتظار حسین کی فکشن میں ہندوستان کے درودیوار دوڑتے نظر آتے ہیں ان کو اس دھرتی سے عشق ہے۔ وہ مشترکہ ہندوستان کے نظریے سے مکمل اتفاق کرتے ہیں۔ ان کے ہاں اپنے عہد کی تاریخ اور ملکی حالات، بے یقینی کی کیفیت، بے چینی اور تنہائی کے کرب کی نفسیات کا ذکر ملتا ہے۔ ان کے ہاں قاری کو ایک خاص عہد سے باخبر کرنے کا جذبہ فزوں تر ہے۔ وہ ماضی میں ایسے کھو جاتے ہیں کہ ان کے ہاں حال کا کوئی نقشہ ترتیب نہیں پاتا۔ البتہ یہی ماضی مستقبل کی منصوبہ بندی کا جواز بنا دیتا ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر صابرہ خاتون لکھتی ہیں:

"ان کے ناولوں میں واقعات غیر ارادی طور پر بیانیہ کے ساتھ بہتے چلے جاتے ہیں جس کے نتیجے میں حال کی عام زندگی، ماضی کی یادیں، اور مستقبل کی فکر پر بیانیہ پھیل کر عصری عہد کی حقیقتوں سے ہم آہنگ ہو کر اس وقت کی زندگی کے تمام اتار چڑھاؤ کے ساتھ بہتی چلی جاتی ہے اور زندگی کا ایک منظر نام سامنے آتا ہے۔"(۲)

ان کے ناول عہدِ حاضر کے المیہ کو مکمل طور پر سامنے لاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں عہدِ حاضر کا المیہ کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ ناول "بستی" سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"جب حاک ظالم ہو جائیں، اولادیں سرکش ہو جائیں تو پھر خلق خدا پہ کوئی بھی آفت ٹوٹ سکتی ہے۔"(۳)

اوپر کے اقتباس میں عہدِ حاضر کے اس المیے پر غور کریں۔ کتنا سچا ہے۔ آج کی دنیا کیسی ہے؟ ہمارے حالات کیسے چل رہے ہیں؟ کیا ہم ماضی سے کچھ سیکھنے کے موڈ میں ہیں؟ کیا ہمارا حال اس طرح اور اس سے بھی بدتر ہوتا رہے گا اور ہم شتر مرغ کی طرح آنکھیں بند کر کے خوابِ خرگوش کے مزے لیتے رہیں گے؟ ان سارے سوالوں کا کوئی جواب بھی ہے کہ نہیں؟ انتظار حسین ہمیں آئینہ دکھاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جب اولاد سرکش ہو گی تو یہی ہو گا، جو اب ہو رہا ہے۔ جب حاکم ایسے بن جائیں جیسے آج کل کے ہیں تو پھر ہم پر تباہی تو آئے گی ناں۔ اس سے اندازہ کریں کہ دن بہ دن ہمارے حالات اسی وجہ سے تو بگڑ رہے ہیں نا!، انتظار حسین کا ایک اور قول ہے:

یار برا مت مانناتم لوگوں کی تاریخ ہندوستان میں عجیب اور بڑکھابڑ چلی ہے، پہلے تمہارے فاتحین آئے اور اس زور شور سے آئے کہ ان کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے یہاں کی زمین ہل گئی اور تلواروں کی جھنکار سے فضا گونج اٹھی۔ پھر سیاسی رہنما نمودار ہوئے اور انھوں نے اپنی" گھن گرج دکھائی"۔"(۴)

سیاسی رہنماؤں کی گھن گرج میں طنز کا جو پہلو ہے وہ صاف واضح ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ہمارے موجودہ سیاست دانوں نے ملک کا کیا حال بنا رکھا ہے۔ ہر جگہ ظلم و ناانصافی کا دور دورہ ہے اور ہم انھی نالائق سیاست دانوں کے ظلم و ستم کا شکار ہیں۔ ہم پر ایسے حکمران مسلط کیے جاتے ہیں جنھیں اس بات سے کوئی سروکار نہیں ہوتا کہ ہم ملک و قوم کی خدمت کریں۔ اس سے اندازہ کریں کہ ہم کس قدر بدقسمت قوم ہیں۔ اللہ ہی ہمارے حال پر رحم کرے۔ انتظار حسین "بستی" میں ایک اور جگہ یوں لکھتے ہیں:

عروج کی یہی تو خرابی ہے۔ اُس عالم میں یہ گمان ہی نہیں گزرتا کہ اس عروج کو زوال بھی ہو سکتا ہے اور جب زوال شروع ہو جاتا ہے تو اسے بیچ میں روکا نہیں جا سکتا۔ زوال اپنی انتہا کو پہنچ کر دم لیتا ہے۔"(۵)

اس سے اندازہ کریں کہ عروج تو اپنے ساتھ بہت سی نعمتیں لاتا ہے اور فرد اس سے لطف انداز ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ قوموں کا عروج انفرادی قربانیوں سے ممکن ہو سکتا ہے۔ جب بچہ بچہ، جوان، بوڑھے، مرد و عورت اپنا اپنا حصہ ڈالیں گے اور قربانی سے نہیں کترائیں گے تو پھر عروج کے حالات سے پوری قوم کے مزے ہوں گے۔ اب ہم ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے ہوں۔ نہ ہی ہم میں قربانی کا جذبہ ہو تو پھر وہی حال ہو گا کہ زوال آئے گا۔ بلکہ زوال آیا ہوا ہے۔ دنیا میں جتنی بھی اقوام ہیں ان سب میں آج مسلمان قوم کا سب سے برا حال ہے۔ ہر جگہ مسلمانوں کو کچلا جا رہا ہے۔ یہاں اس کی وجوہات پر بات نہیں کریں گے جو آج ہمارا ہو رہا ہے۔ اس حوالے سے یہ اقتباس قابلِ توجہ ہے:

"پاکستان کی خانہ جنگی، دل کی ویرانی، انسانیت کسمپرسی، پاکستانی نوجوانوں کی بے راہ روی، بدلتے وقت کے ساتھ مصلحت پرستی، اس کے ساتھ پاکستان میں ان کے معاشی تحفظ جیسے مسائل ناول میں تمام ذہنی اور خیال اڑان کے ساتھ برقرار رہتا ہے۔"(۶)

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.03 (2025)

اس اقتباس سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ پاکستان میں خانہ جنگی کیوں ہوئی؟ اس کی وجوہات کیا تھیں؟ ایک ایسا ملک جو ہمارے بزرگوں کی قربانیوں کے طفیل وجود میں آیا تھا، اس کا ہم یہ حال کریں گے؟ کیا ہماری سرشت میں یہی لکھا ہے کہ ہم زندگی بھر تکالیف کا شکار رہیں گے؟ کیا ہم دوست اور دشمن میں تمیز کھو چکے ہیں؟ کیا ہماری اقدار مردہ ہو چکی ہیں؟

یہ سوال اوپر کے اقتباس میں ہم سے کیے گئے ہیں کہ آخر پاکستان میں خانہ جنگی کیوں ہوئی۔؟ اگر ہم موجودہ عہد پر نظر ڈالیں تو اب بھی وہی صورتِ حال نہیں ہے؟ سارا ملک برے حالات کا شکار ہے۔ ہم آخر کب تک سدھریں گے؟ آدھا ملک تو گنوا چکے ہیں۔ اسی سے دل ویران ہو جاتے ہیں۔ اسی سے انسانیت کا برا حال ہو جاتا ہے۔ اسی سے ہمارے نوجوانوں میں مایوسی پھیلتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انتظار حسین اس ملک کے حالات کا تحفظ کر رہے تھے نا۔ ان کی آنکھوں کے سامنے یہ سب کچھ ہو رہا تھا۔ انتظار حسین کا ایک اور ناول "تذکرہ" ہے جو ان کے دیگر ناولوں کی طرح اسی موضوع کا نوحہ ہے۔ اس ناول میں بھی اپنے عہد کی تہذیبی ثقافتی تصویریں پیش کی گئی ہیں۔ ہجرت اور مہاجر خاندانوں کے حالات کا المیہ بیان کیا گیا ہے۔ ماضی کی یادوں کو بین السطور میں بیان کیا گیا ہے۔ وقت کے ساتھ زمان و مکاں میں ہونے والی تبدیلیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ الغرض یہ ناول بھی ایک وسیع کینوس کی تصویر کشی کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ ان کے ہاں مستقبل کی فکر کے حوالے سے خاصی بحث ملتی ہے کہ ہمارا مستقبل کیا ہو گا؟ ادیب کی نظر تو دور رس ہوتی ہے۔ وہ ماضی، حال اور مستقبل کے حوالے سے پیشن گوئی کر سکتا ہے۔

تذکرہ ایک ایسا ناول ہے جس میں "بے گھری" سے لے کر "نیا گھر آشیانہ" بن جانے اور اس کے بعد پیش آنے والے مسائل تک پیش کیے گئے ہیں۔ اس حوالے سے ڈاکٹر صابرہ خاتوں رقم طراز ہیں:

> "اس ناول میں "چراغ حویلی" کے ذکر سے ماضی کی طربناکی اور "آشیانہ" کے ذریعہ حال کی تاریک المناکی کو پیش کیا گیا ہے۔ جو مستقبل کے لیے تگ و دو کے ساتھ فکر کی راہیں ہموار کرتی ہے۔ اس ناول کا بیش تر حصہ اخلاق وراثت میں ملتے ہیں اپنے بزرگوں کی خود نوشت کے تذکرے پر مشتمل ہے۔ جو گنگا دت مہجور اور مشتاق علی کے اپنے عہد کے واقعات، ہندو مسلم مشترکہ تہذیب اور پوری سماجی، سیاسی زندگی کو اجاگر کرتا ہے۔ بس یوں سمجھ لیجئے ماضی کی بازیافت ہے۔"(۷)

یوں "تذکرہ" اور "بستی" ہی کی توسیع معلوم ہوتا ہے۔ اس حوالے سے شمیم حنفی کے الفاظ یہ ہیں:

> "انتظار حسین نے لفظ ماضی یا رجعت یا داستان یا کہانی کو ایک مفہوم ہی نہیں دیا، ان لفظوں کو ایک بالکل نئے اور انوکھے تناظر میں بھی ہوتا ہے۔"(۸)

اوپر کے اقتباس سے اندازہ لگاتے دیر نہیں لگتی کہ انتظار حسین ماضی کے تذکروں کو حال سے ملا کر وطنِ عزیز کے مکینوں کو موجودہ حالات سے سبق حاصل کرنے کی تلقین کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ داستان سے حقیقت کے سفر میں کئی موڑ ایسے آتے ہیں جہاں وہ راستہ سے بھٹک سکتے تھے مگر انھوں نے انتہائی چابک دستی کے ساتھ سادگی و پرکاری کا ثبوت دیا ہے اور اس طرح بیتے دنوں کے قصے سناتے ہیں۔ وہ کبھی تو بھولی بسری یادوں میں گم نظر آتے ہیں تو کبھی گنگا دت مہجور کے ذریعے رامائن اور مہابھارت کی حکمتیں منظرِ عام پر لاتے ہیں۔ کبھی مشتاق علی کے ذریعے اسلامی تہذیب اور ان دونوں کرداروں کے ذریعے ہندو مسلم مشترکہ تہذیب کی عکاسی کرتے ہیں۔ یوں وہ پُر سکون زندگی کی تلاش میں ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ہمارا حال ان کے حساب سے بہتر نہیں ہے بلکہ ہم ماضی کی شان دار روایات کو یکسر بھلا چکے ہیں۔ انتظار حسین بھی اقبال مرحوم کی طرح ہمیں اپنے شان دار ماضی پر علامتی انداز میں تبصرہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اسی حوالے سے "تذکرہ" سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> "ایک شب خواب میں ابا جانی کو دیکھا یہ سامنے دھرے اوراق پریشاں کو دیکھ کر پریشان ہیں اور افسوس کا اظہار کر رہے ہیں۔ فرما رہے ہیں کہ بزرگوں نے اپنے اپنے وقت میں حق ادا کیا، ہم سے حق ادا نہ ہوا۔ اتنے میں میری آنکھ کھل گئی۔"(۹)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ماضی کی بازیافت میں سے حال کو بہتر بنانے کی کوشش میں ہیں۔ ان کے خیال میں ہماری تمام برائیوں کا حل یہ ہے کہ ہم ماضی کی طرح شان دار روایات کے امین بن جائیں۔ وہ اساطیری عناصر سے اپنے ناولوں کو سجاتے ہیں۔ اس طرح انھوں نے مختلف تلمیحاتی عناصر کا بھی سہارا لیا ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

"ارے کمبخت یہ تونے کیا دیکھ لیا کہیں دابۃ الارض تو نمودار نہیں ہو گا، نشانیاں تو کچھ اسی کی سی ہیں"(۱۰)

اس ناول میں انھوں نے اس دابۃ الارض کے ذریعے سے اپنی کہانیوں کی فضا کو مسخر کیا ہے اور اس طرح شان دار اساطیری روایات کو نئے سرے سے زندہ کیا ہے۔ اس حوالے سے ایک اور اقتباس درج کیا جاتا ہے:

"انتظار حسین کی تحریروں میں یادوں کا ایک حسین میلہ لگا نظر آتا ہے جو ہمیں متاثر بھی کرتا ہے، جذباتی بھی بنا دیتا ہے، ہنساتا بھی ہے، رُلاتا بھی ہے اور بعض دفعہ یادوں کی بارش میں سرشاری سے بھی سرفراز کرتا ہے۔ انتظار حسین کو اپنی تہذیب و ثقافت سے جنوں کی حد تک عشق تھا۔ انھوں نے اپنی کہانیوں میں تہذیب و ثقافت کی بازیافت کا فریضہ انجام دیا ہے۔ انتظار حسین کا شمار اردو کے ان قد آور فکشن نگاروں کی صف میں کیا جاتا ہے جنھوں نے اظہارِ خیال کے لیے ایک نئی راہ اور نئے اسلوب کو برتا اور اس میں اپنے فکر و فن کے ایسے جوہر پیش کیے کہ لوگ عش عش کر اٹھے۔"(۱۱)

ان کی ماضی پرستی خاصی مشہور رہی ہے۔ اسی حوالے سے ایک اور اقتباس ملاحظہ ہو:

"دراصل انتظار حسین تاریخ کا شعور کچھ زیادہ ہی رکھتے تھے۔ ان کی وسعتِ نظر اور وسعتِ مطالعہ کا ثبوت ان کے افسانوی ادب میں صاف نظر آتا ہے۔ انھوں نے کہیں پرانوں سے، کہیں جاتک کتھاؤں، کہیں انجیل سے اور کہیں قصص الانبیا کی روایتوں سے استفادہ کیا ہے۔ انتظار حسین کی شناخت ایک خاص موضوع یعنی ہجرت اور خاص اسلوب یعنی داستانوی انداز بن گئی ہے لیکن بقول سراج منیر اسالیب کا اتنا وسیع دائرہ شاید انتظار حسین سے پہلے کسی اور افسانہ نگار کے ہاں دکھائی نہیں دیتا۔"(۱۲)

انتظار حسین کے ہاں ہندوستانی دھرتی سے عشق ہر ہر سطح پر اپنا رنگ دکھاتا ہے۔ انھیں یہ ماحول و فضا بے حد پسند ہے۔ ان کی جنم بھومی کے بارے میں ڈاکٹر اسلم جمشید پوری یوں لکھتے ہیں:

"انتظار حسین کا میرٹھ سے عشق کبھی کم نہیں ہوا۔ وہ جسمانی طور پر ضرور پاکستان ہجرت کر گئے لیکن ان کی سوچ یہی رہی۔ یہی سبب ہے کہ انھیں لاہور کی گلیوں میں خیر نگر، گھنٹہ گھر اور جلی کوٹھی یاد آتی تھی۔ میرٹھ جن اشیا کے لیے قومی ہی نہیں بین الاقوامی طور پر اپنی شناخت رکھتا ہے ان میں ریوڑی، گزک، سوئی ملبوسات، حلیم بریانی۔ انتظار حسین تمام عمر انھیں بھلا نہیں پائے۔ میرٹھ کی قینچی اور کباب انھیں ہر جگہ یاد رہے اور تڑپاتے رہے۔"(۱۳)

درجہ بالا سطور اس بات کی غماز ہیں کہ ان کی تحریروں میں ماضی کی بازیافت ہی اس بات پر آمادہ کرتی ہے کہ کاش ہم ماضی کو ذہن میں رکھ کر اپنے حال کو سنواریں۔ انتظار حسین کی جملہ تحریریں اسی نقطۂ نظر کے تحت تخلیق کی گئی ہیں۔

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.03 (2025)

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر نعیم انیس، مرتبہ انتظار حسین: حیات وفن، مغربی بنگال اردو اکادمی، کلکتہ، ۲۰۱۷ء، ص ۱۱

۲۔ ڈاکٹر صابرہ خاتون، انتظار حسین کی ناول نگاری، (غیر مطبوعہ مقالہ)، یونیورسٹی آف کلکتہ، ۱۹۹۷ء، ص ۲۱۸

۳۔ انتظار حسین، بستی، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۲۱۵

۴۔ ایضاً، ص ۴۲

۵۔ ایضاً، ص ۱۱۸

۶۔ ڈاکٹر صابرہ خاتون، انتظار حسین کی ناول نگاری، (غیر مطبوعہ مقالہ)، ص ۲۲۴

۷۔ ایضاً، ص ۲۷۵

۸۔ شمیم حنفی، تبصرہ، انتظار حسین کا تذکرہ، مشمولہ تذکرہ، از انتظار حسین، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۴۳۵

۹۔ انتظار حسین، تذکرہ، محولہ بالا، ص ۴

۱۰۔ ایضاً، ص ۷

۱۱۔ ڈاکٹر نعیم انیس، مقدمہ انتظار حسین: حیات وفن، محولہ بالا، ص ۱۱

۱۲۔ ڈاکٹر ابن کنول، ڈاسے بچھڑا ادیب: انتظار حسین، مشمولہ، انتظار حسین: حیات وفن، ص ۱۵

۱۳۔ ڈاکٹر اسلم جمشید پوری، انتظار حسین اور میرٹھ، مشمولہ ایضاً، ص ۱۶